إِنَّ وَلِيِّيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ

مجموعہ خطبات

حضرت مولانا عبید اللہ سندھی

موسس جمنا، نربدا، سندھ ساگر پارٹی!

جسے

پارٹی کے کراچی مرکز نے شائع کیا۔

يد الله على الجماعة

خطبہ صدارت

از

مجاہد جلیل افضل العلماء حضرت علامہ عبید اللہ سندھی

جو

۳ر جون ۱۹۳۹ء کو اجلاس علمائے صوبہ بنگال منعقدہ کلکتہ میں پڑھا گیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد۔ مسلمانانِ ہند نے اس زمانہ میں اپنے اجتماع کی مختلف شکلیں بنا رکھی ہیں۔ ان میں سے ایک خاص اجتماع جمعیۃ علماء ہند ہے۔ اس خاص صورت کی ابتدا کیسے ہوئی۔ اور کس طرح یہ جمعیۃ آج تک اپنی ہستی کا ثبوت دیتی رہی۔ اس کی تاریخ سے آپ حضرات اس قدر واقف ہیں۔ جس پر میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتا۔

اسی قسم کے اجتماع کی ایک دوسری صورت اس سے پہلے ظاہر ہو چکی ہے جسے جمعیۃ الانصار کہا جاتا ہے۔ اب سنتا ہوں کہ یہ نام کسی دوسرے اجتماع نے اپنے لئے پسند کر لیا ہے۔ لیکن میری نظر میں اسی نوعیت کے اس اجتماع کا عام پسند نام جمعیۃ علماء ہند ہے۔ اس سے پہلے اجتماع سے میرا خصوصی تعلق تھا۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن

دیوبندی قدس اللہ سرہ العزیز واعلی فی العالمین مقامہ کے خدام کے ساتھ میں بھی شریک عمل رہا ہوں۔ اس قسم کے اجتماع میں شکل وصورت کے بدلنے کا اصل مقصد پر زیادہ اثر نہیں ہوتا۔ اس لئے میں اس اجتماع کے مطمح نظر سے اجنبی نہیں ہوں۔

میں نے حضرت شیخ الہند کے حکم سے ۴ر شوال ۱۳۳۳ھ کو ہندوستان چھوڑا۔ اور حضرت مولانا حسین احمد مدظلہ العالی کی خواہش پر اوائل ۱۳۵۸ھ میں واپس آیا۔ اس عرصہ میں ایسے حالات سے دوچار ہوتا رہا ہوں کہ کبھی موت کے منہ میں جاکر بچ نکلا۔ اور کبھی غلبہ یاس کے بُرے اثرات سے بچنے کے لئے ایسی جماعتوں سے متحد ہوکر کام سوچتا رہا۔ جن سے بحالت اطمینان شاید معمولی طور پر ملنا بھی جائز نہ سمجھتا۔

یہاں پر مثنوی کے چند اشعار لکھ دوں۔ تو میری کیفیت زیادہ وضاحت سے سمجھ میں آسکے گی۔

من بہر جمعیتے نالاں شدم — جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من — وز درون من نجست اسرار من
سرّ من از نالۂ من دور نیست — لیک گوش و چشم را آں نور نیست!

اس بیان میں، میں اپنے خاص دوستوں کو دعوت دے رہا ہوں کہ وہ ہمارے شخصی حالات کرید کرید کر معلوم کریں۔ اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَلْبَاب۔

مجھے وطن میں آنے کی اجازت ملی۔ میں اسے رحمت الٰہی کا خاص کرشمہ مانتا ہوں۔ آہستہ آہستہ میرے دماغ سے وحشت دور ہو رہی ہے۔ واپسی کی امید منقطع ہونے یا قریب انقطاع پہنچنے سے بہت برے اثرات دل ودماغ پر حاوی ہو رہے تھے۔ رحمت الٰہی نے اس مشکل میں دستگیری فرمائی اور اس ناقابل برداشت مصیبت سے نجات ملی۔

احمد ربی علی ذلک حمد الشاکرین!

میرے بعض محترم دوست یہ بھی خیال کرتے رہے اور انہیں اس پر اصرار تھا۔ کہ مجھے واپس نہیں آنا چاہئے۔ غالباً وہ ایسے اوہام میں مبتلا ہے۔ کہ میں آزاد زندگی بسر کر رہا ہوں۔ اس لئے یہاں کی غلامی میں آکر گھبرا جاؤں گا۔ اس وہم نے ان کے دماغ میں مختلف شکلیں اختیار کرلی تھیں مگر میں نے اسے سختی سے ناپسند کیا۔ میری اس سرگذشت کا معاملہ ان کی سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ع کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا۔

پھر میں اللہ رب العزت کا شکر کرتا ہوں۔ کہ ساحل پر قدم رکھنے کے وقت سے آج تک میں نے ڈرانے والوں کے اوہام کا کوئی اثر نہیں دیکھا۔ فللہ الحمد اولاً و آخراً

محسنین کا شکریہ

لم یشکر اللہ من لم یشکر الناس کے اصول پر آپ مجھے اجازت دیں۔ کہ جن لوگوں نے میری واپسی کے لئے سعی کی ہے۔ ان کا شکریہ ادا کروں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے میرے محترم دوست چودھری غلام رسول مہر اور میرے قدیم مہربان سر عبداللہ ہارون نے میرے لئے کوشش شروع کی۔ وہ تحریک اس وقت بعض عارضی وجوہ سے کامیاب نہ ہوسکی۔ مگر کوشش کرنے والوں کی داد نہ دینا ایک طرح کی پست ہمتی اور کفران نعمت ہے۔ اس لئے میں اس اجلاس میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء!

دوسری دفعہ اس تحریک کو انڈین نیشنل کانگریس نے مہاتما گاندھی کی رہنمائی میں چلایا۔ اور میرے دوستوں نے ہند کے ہر گوشہ سے تائید کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ گورنمنٹ ہند نے مجھے واپسی کی اجازت دی۔ اس تحریک کی تائید میں ہر ہندوستانی نے حصہ لیا۔ مسلک سیاسی کے اختلاف کا ان پر کوئی اثر نہیں آیا۔ پھر بھی مجھ سے خصوصی تعلق رکھنے والی جماعتیں مثلاً دار العلوم دیوبند اور جمعیۃ علماء ہند کی شاخیں اور سندھ کی سیاسی اور غیر سیاسی

جماعتیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس اجازت کے مسئلہ کو اگر بہ نظر عمیق دیکھا جائے۔ تو آپ کو معلوم ہوگا۔ کہ اس فیصلہ میں ہز امپیریل میجسٹی کے وزیر ہند کی منظوری ضرور حاصل کی گئی ہے۔ اور یہ بھی صاف طور پر سامنے آجائے گا۔ کہ اگر سندھ گورنمنٹ اپنی ضمانت نہ پیش کرتی۔ تو یہ معاملہ شاید صورت پذیر ہی نہ ہوتا۔ ذرا آگے دیکھا جائے تو یہ بھی ممکن ہے۔ کہ سندھ گورنمنٹ کو اس ضمانت پر طیار کرنے کے لئے برطانوی وزارت مختار مقیم جدہ اور اس کے معاون انڈین وائس قنصل نے خاص حصہ لیا ہو۔

اس لئے میں (۱) ہز امپیریل میجسٹی اور برٹش کیبنٹ (۲) ہز ایکسیلنسی وائسرائے اور انڈین گورنمنٹ (۳) پھر ہز ایکسیلنسی گورنر سندھ اور اس کی گورنمنٹ کے معزز اراکین مثل سر غلام حسین ہدایت اللہ (۴) پھر برٹش قائم مقام جدہ اور اپنے محترم دوست سید لال شاہ انڈین وائس قنصل جدہ کا صمیم دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔

اسی طرح اس کے ساتھ ساتھ بلکہ ایک حیثیت سے پہلے اپنے وطن کے بہت بڑے فلاسفر مہاتما گاندھی اور اپنی قومی جماعت انڈین نیشنل کانگریس جس کا میں سولہ سال سے ممبر ہوں۔ اور اپنی بیرونی زندگی میں اس کے لئے خاص طور پر کام کرتا رہا ہوں۔" اور کانگریس کے سرکردہ ممبروں کا عموماً اور اپنے معزز دوست شری یت برج لال بیانی ممبر کونسل آف اسٹیٹ اور ڈاکٹر چوتھ رام سابق پریزیڈنٹ سندھ کانگریس کمیٹی کا خصوصاً اور پھر عام مسلمانوں کی جماعتوں کا اور عام ہندوستانیوں کا شکریہ اسی قدر صمیم قلب سے ادا کرتا ہوں۔

جن حضرات کا شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ ان کی یہ ترتیب فقط ظاہری حیثیت سے ہے۔

یہاں میں اس کے بطن کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

اس معنوی لحاظ سے سب سے پہلے حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ العالی

کا نام آتا ہے جو میرے استاذ شیخ الہند قدس سرہ کے قائم مقام یعنی ثانی شیخ الہند

ہیں اگر مولانا حسین احمد میری واپسی کی خواہش ظاہر نہ کرتے تو میں بمشکل اس پر راضی ہوتا

کہ گورنمنٹ ہند سے واپسی میں سہولت بہم پہنچانے کے لئے درخواست کروں۔

میری نظر میں اس درخواست بھیجنے کی ضرورت ہے اس کی وضاحت کے لئے

میں چند فقرات عرض کرتا ہوں۔

میرے خیال میں جب تک میرے محترم رفیق مولانا منصور انصاری مقیم کابل

اور میرے محترم دوست راجہ مہندر پرتاب اسی طرح کی درخواست گورنمنٹ ہند کی خدمت

میں نہیں بھیجیں گے۔ اور نیز مہاتما جی کے مسئلہ عدم تشدد کی پابندی کا یقین نہیں دلائیں گے

اور اس کے ساتھ اپنے فیصلہ سے میری طرح بیرونی تحریکات سے قطع تعلق نہیں

کر لیں گے۔ اس وقت تک گورنمنٹ ہند کسی معاملہ میں نظر ثانی کرنا منظور نہیں کرے گی۔

آپ کا اس قدر وقت لینے کی معافی چاہتا ہوں۔ اور اس شکریہ کی داستان

کو ختم کر کے آگے بڑھتا ہوں۔ میں اس سے غافل نہیں ہوں۔ کہ بہت سے میرے

خیر خواہ دوست میرے اس قدر طولانی شکریہ کو خوش گواری سے نہیں سنیں گے۔ مگر میرا

ادائے فرض پر مجبور ہونا ان کو تلخ باتیں سنانا ہے۔ میں ان حضرات سے دوبارہ معافی

مانگتا ہوں۔ اور آگے چلتا ہوں۔

حضرات! میں اپنے فیصلہ سے کابل نہیں گیا تھا۔ مجھے حضرت مولانا

شیخ الہند کا ناقابل تنسیخ حکم ملا۔ اور میرے رفقاء کی مرکزی جماعت نے بھی

یہی فیصلہ کیا۔ میں اللہ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے تعمیل حکم کی توفیق بخشی!

میرا ارادہ نہیں تھا۔ کہ میں برطانوی گورنمنٹ کے زیر سایہ پھر اس ملک میں آؤں گا۔ اس لئے دار السلطنت کابل میں مجھ پر فوق العادہ اعتماد کیا گیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ مجھے اعلیٰ حضرت امیر امان اللہ خان کے فیصلہ سے کابل چھوڑنا پڑا۔

اور اس کے بعد میں سوویٹ رشیا میں عارضی قیام کے لئے مجبور رہا۔ ہماری سمجھ میں ہمارے ترک وطن کو اس سے پہلے اگر ہجرت کے مقدس نام سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ تو جیحون عبور کرنے کے بعد وہ حیثیت ختم ہو گئی۔

اب میں اس حالت میں ہوں۔ کہ جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے

ولولا نفر من کل فرقة طائفة

میرا فرض اس صورت میں فقط اس قدر ہے کہ میں اپنی معلومات اپنی جماعت کے سامنے پیش کروں۔ اور اگر وہ مناسب سمجھیں۔ تو اس سے فائدہ اٹھائیں۔

اس موقعہ پر میں جمعیۃ علماء بنگال کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ اس نے میرے لئے ایسا موقعہ بہم پہنچایا۔ جہاں سے میں اپنے اجمالی خیالات اپنی قوم اور ملک کے سامنے پیش کردوں۔

حضرات! میں ایسے زمانہ میں ہند سے باہر رہا ہوں۔ جسے دور انقلاب کہنا چاہیئے۔ بڑی بڑی سلطنتیں فنا کے گھاٹ اتاری جا رہی تھیں۔ ان کی جگہ پر قوم کے بہادروں کا جو دستہ عمر بھر مصیبتوں میں مبتلا رہا۔ اب پارٹی پالٹیکس کے اصول پر اپنی مختصر جماعت کے زور پہ نئی حکومتیں بنا رہا ہے۔ ایسے زمانے میں سنے

اور پرانے چوٹی کے سیاسیین سے استفادہ کا موقعہ ملتا رہا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہم اس عالمگیر انقلاب کی حقیقت اور اس کے اساسی اسرار سمجھنے کے قابل ہو گئے۔

حضرات! آپ کو معلوم ہے کہ میں کوئی یوروپین زبان نہیں جانتا۔ اس لئے اس استفادہ میں اپنے نوجوان دوستوں کی امداد کا شکر گذار ہوں۔ میرے یہ نوجوان دوست ہندوستانی تھے۔ یعنی ہندو اور مسلمان اور نیشنلسٹ اور سوشلسٹ کا کوئی فرق ان کے سامنے نہیں تھا۔ میں بنگال کا خاص شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ میرے محترم دوست پنڈت شب ناتھ بنرجی بھی ان نوجوانوں کی فہرست میں شامل تھے۔

حضرات! جب کہ ہم اس عالمگیر انقلاب کی حقیقت سے آشنا ہو گئے اس کے بعد میں اس سے زیادہ اپنے وطن و ملت کی کوئی خدمت نہیں کر سکتا۔ کہ انہیں یقین دلانے کی کوشش کروں۔ کہ ہندوستان کا اس عالمگیر انقلاب سے متاثر نہ ہونا غیر ممکن ہے۔ اور ان جماعتوں کو جو مجھ پر اعتماد کر سکتی ہیں۔ ایسے طریقے بتلاؤں۔ جس سے وہ نقصان کے مقابلے میں زیادہ نفع حاصل کر سکیں۔

اس وقت میں اپنے بیان کے اجمالی عنوانات کا ذکر کرتا ہوں۔ میں جب سے ساحل ہند پر اترا۔ مجھے آرام کا کوئی موقعہ نہیں ملا۔ میرے طبعی ضعف اور سفر کا تقاضا ہے۔ کہ اس وقت میں اپنے افکار دلکش صورت میں پیش کرنے کے قابل نہیں ہو سکا۔ اگر مجھے اچھی فرصت ملے۔ تو میں زیادہ مدلل اور واضح شکل میں اپنے افکار آپ کو سناؤں گا۔ مگر اس وقت اس سے زیادہ کی توقع مجھ جیسے عاجز سے نہیں چاہیے۔

(۱) اگر میرا وطن اس انقلاب کے نقصان سے بچنا چاہتا ہے۔ تو اسے یورپین اصول پر نیشنلزم کو ترقی دینا چاہیئے۔ پچھلے زمانہ میں ہمارا ملک جس قدر نامدار رہا ہے۔ اسے دنیا جانتی ہے۔ مگر اس سے ہم کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ جب تک ہم آج کی قوموں میں اپنا وقار ثابت نہ کرسکیں۔ جاننا چاہیئے کہ یہ انقلاب نئی صورت میں پیدا ہو رہا ہے جس میں یورپ کی دو صد سالہ ترقی کام کر رہی ہے۔ جس سے ہمارے عوام قطعًا ناواقف ہیں۔

ہماری ہندوستانی تہذیب کا عہد قدیم جو ہندو تہذیب کہلاتا ہے۔ اور عہد جدید جسے اسلامی تہذیب سمجھا جاتا ہے۔ دونوں مذہبی اسکول ہیں۔ اور آج کل کا یوروپین اسکول مذہب سے قطعًا نابلد ہے۔ اس کا مدار فقط سائنس اور فلسفہ پر ہے۔ اسی لئے ہمارے وطن میں اگر اس انقلاب کے سمجھنے کی استعداد پیدا نہیں ہوئی۔ تو سر بسر نقصان ہی نقصان ہمارے حصہ میں آئے گا۔

(۲) اس مقصد کی تکمیل میرے خیال میں اس صورت کے سوا ہو ہی نہیں سکتی۔ کہ انڈین نیشنل کانگریس کو تمام سیاسیات ہند کا مرکز بنا دیا جائے۔

مجھے افسوس ہے کہ میرے محترم دوستوں کا نوے فی صدی حصہ مسلم لیگ میں شامل ہے۔ اور وہ یہ امید رکھتے ہیں۔ کہ دنیا لیگ کو کانگریس کے برابر مان لے گی۔ اس لئے وہ پروپگنڈا پارٹیاں اندرونی اور بیرونی بھیجنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ میں انہیں اس حقیقت سے آشنا کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جب سے برطانوی گورنمنٹ نے منٹو مارلے اسکیم اصلاحات کے مقدمہ میں انڈین نیشنل کانگریس کا ذکر کر دیا۔ اسی وقت سے دنیا گورنمنٹ آف انڈیا کے بعد نیشنل کانگریس کو جانتی

ہے۔ اس کے بعد خلافت کے دور میں جس زور سے نان کواپریشن عمل میں آیا۔
اس نے بھی ملک کی طاقت انڈین نیشنل کانگریس کو تسلیم کرانے میں مدد دی۔ اس قدر
گہرے اثرات کی موجودگی میں لوگ ملک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں۔ کہ وہ لیگ کو کانگریس
کے برابر کر دکھلائیں گے۔ میں اپنے ان دوستوں کی نیت اور خلوص پر کوئی حملہ نہیں
کرنا چاہتا۔ میں اپنے ملک کو ناواقف نہیں رہنے دوں گا۔ اور ان کو حقائق سے
جاہل رکھ کر کسی کو فائدہ حاصل کرنے نہیں دوں گا۔

اس لئے میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ نیشنل کانگریس کے کرتا دھرتا یورپین
نیشنلزم کو رواج دینا اپنا نصب العین بنائیں۔ وہ فقط اقتصادی ترقی کو آزادی
کی بنیاد قرار دیں۔

ہمارے ملک کے محترم فلاسفر مہاتما گاندھی کی خصوصیات طبعی اور اس
کے ارتجاعی میلان کو قوم کا دستور العمل بنانے کی کوشش نہ کریں۔

میں مہاتما جی کا نان وائیلنس کے پولیٹیکل پروگرام میں اعلیٰ درجہ پر احترام کرتا
ہوں۔ مگر ان کے میلان خاطر یا ان کے فلسفہ سے پورا متفق نہیں ہوں۔ میرا خیال
ہے۔ کہ اس مطمح نظر سے بے التفاتی برتنے کا پہلا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ہماری وطنی تحریک
سے اولاً مولانا شوکت علی مرحوم اور ان کے ساتھی اور ثانیاً محترم سوبھاش بابو اور اس
کے رفیق غیر مطمئن ہو گئے۔

یورپ نے مذہب کا استعمال سیاسیات میں چھوڑ دیا ہے۔ لیکن فلسفہ کو اساسی
اجتماع بنانے کے لئے مجبور ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے ملک کے ہندو اور
مسلمان اور سکھ وغیرہ طوائف میں ایسے عالموں کی کمی نہیں۔ کہ وہ اپنی مذہبی

روح (یعنی فلسفہ) سے یورپین اقتصادیات کی تطبیق دے ہیں۔ اس سے وہ عوام کو جلدی بیدار کر سکیں گے۔ مگر مذہبی مراسم کو نیشنل تحریک کا جزو بنانا خواہ کسی نیک نیتی سے ہو۔ ملک کو تباہی سے نجات نہیں دلائے گا۔

(۳) میں جمعیۃ علماء ہند کو ایک اول درجہ کی انقلابی جماعت بنانے کا مشورہ دونگا اس لئے ضروری ہوگا۔ کہ وہ اسلام کے شارحین میں سے ہر ایک فریق کی اطاعت نہ کریں کسی غیر انقلابی پر اعتماد نہ کریں۔ جب تک اس کی مذہبی معلومات اور اس کا طرز زندگی قابل اطمینان نہ ثابت ہو چکا ہو۔

اس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے میں اپنا امام: امام ولی اللہ دہلوی کو بنا چکا ہوں جو اپنی انقلابی سیاست میں اسلام کی صورت اور معنیٰ کا کامل محافظ ہے۔

یورپین انقلابی اس امام کے نظریات سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ اور اسلامی علوم و فنون فقہ و حدیث و تفسیر و تصوف و حکمت میں اس کی امامت مسلّم ہے۔ اگر ہم اس کی سیاسیات کی توضیح کر سکے۔ تو جمعیۃ علمائے ہند یورپ کے انقلاب کو سمجھنے اور چلانے کی اہلیت آسانی سے پیدا کر سکے گی۔

(۴) میں سفارش کرتا ہوں کہ ہمارے اکابر مذہب و ملت و وطن برٹش گورنمنٹ کے دو صد سالہ سے زیادہ استفادہ کی کوشش کریں۔

جس طرح ہم نے یورپ سے تنفر برت کر اپنی ترقی کو محدود کر لیا ہے۔ اسے اب خیر باد کہیں۔

میں چاہتا ہوں۔ کہ ہمارے کاشتکار اور مزدور کا معیار زندگی بھی یورپ کے باشندوں سے کم نہ رہے۔ اور ملکی ترقی کرنے والی پارٹیاں اس کو اپنا نصب العین بنائیں

(۵) میں چاہتا ہوں۔ کہ یورپ کی انٹرنیشنل اجتماعات میں ہمارا وطن ایک معزز ممبر مانا جائے۔ اس کے لئے ہمیں اپنی معاشرت میں انقلاب کی ضرورت ہوگی۔
میں کسی آل انڈیا تحریک شروع کرنے کے لئے اپنی طبیعت میں عملی استعداد نہیں دیکھتا۔ اس لئے سندھ میں بطور نمونہ اس کام کو شروع کروں گا۔ جو انقلاب میں پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کی چند مثالیں سناتا ہوں۔

(ا) سندھی زبان جسے ہر ایک سندھی اپنی مادری زبان کی حیثیت میں بولتا ہے۔ رومن حروف میں لکھے گا۔ اس ٹائپ رائٹر سے استفادہ کا جلدی موقعہ ملے گا۔ اور یورپ کے لوگ ہماری زبان آسانی سے سیکھ سکیں گے۔

(ب) سندھی اپنے وطن کا بنا ہوا کپڑا پہنے گا۔ مگر وہ کوٹ وپتلون کی شکل میں ہوگا۔ یا کالردار قمیص اور تکمہ کی صورت میں، مسلمان اپنے نکر گھٹنے سے نیچے تک استعمال کر سکتے ہیں۔ ہیٹ دونوں صورتوں میں بے تکلف استعمال کرے گا۔

(ج) ہم نے افغانستان میں دیکھا ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت امیر حبیب اللہ خان نے سپاہیوں کو بوٹ سمیت نماز پڑھنے کا حکم دے رکھا تھا۔ اس سے وہاں کے عوام مسجد کے دروازہ پر فقہی قاعدہ کے مطابق بوٹ صاف کر کے مسجد میں نماز پڑھ لیتے تھے۔ سندھی عوام اس پر عمل کریں گے۔

(۶) میں کوشش کروں گا۔ کہ جمعیۃ علماء ہند کے دو حصے کر دئے جائیں۔ پہلا حصہ مسلمانوں کے علوم کا محافظ ہو۔ تمام دینی مدارس اور تبلیغ کے ادارے اس سیکشن کو رہنما بنائیں۔
اس صنف کے اہل علم کے لئے میں اپنا تجربہ اور اپنی سوچی سمجھی ہوئی رائے

آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ تاکہ غور و فکر اور فیصلہ میں مدد دے سکوں۔

ہند کے مسلمانوں کو دینی تعلیم دینے کے تین درجہ ہیں۔

(أ) پہلا درجہ یہ ہے کہ مقامی زبانوں میں دینی اصول عوام کے سامنے پیش کئے جائیں۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ کسی قوم کی عمومی تعلیم اس کی مادری زبان کے سوا کسی دوسری زبان میں ناممکن ہے۔

اس لئے جمعیۃ کے لئے ضروری ہے کہ ہند کی ہر ایک قوم کو جو ایک مستقل زبان بولتے ہوں۔ جیسے سندھی۔ پشتون۔ کشمیری۔ بنگالی اس کی زبان میں اسلام کے پانچ ابتدائی تعلیمات سکھلانے پر اکتفا نہ کرے۔ بلکہ قرآن عظیم کی منتخب سورتوں کا ترجمہ اور حکیمانہ تفسیر بتلا کر ان کو اعلیٰ مقاصد دین سے بھی آشنا کرے۔

یہاں ضمنی طور ایک مسئلہ کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں۔ مسلمانوں کی زبانیں عام طور پر عربی رسم الخط میں لکھی جاتی ہیں۔ اس لئے ہر ایک حرف ہجی مختلف صورتوں میں لکھنا پڑتا ہے۔ کاروباری عوام کے لئے اس رسم الخط کا سیکھنا آسان نہیں۔ ان کے لئے خاص طور پر مقطع حروف کی رسم الخط ایجاد کرنا ضروری ہے۔ جو اعراب و علامات وقفہ کی اصلاح کے بعد تمام ممالک میں رواج پذیر ہو سکتا ہے۔ وہ بہترین رسم الخط ہوگا۔ اور افغانستان۔ ترکستان۔ ایران اور عربی ممالک میں شائع ہو سکتا ہے۔

(ب) ہندوستانی مسلمانوں کو دوسرے درجہ پر اردو کے ذریعہ سے اسلامی تعلیم دینا جمعیۃ علماء ہند کا اہم کام ہے۔ اس درجہ پر فارسی اخلاق و تصوف کی کتابیں اور ابتدائی عربی سکھانا بھی ضروری ہوگا۔

تنبیہ۔ میں یہاں بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ اردو اچھی طرح کوئی نہیں لکھ سکتا جب

تک وہ گلستاں ، بوستاں اور کافیہ تک پڑھا ہوا نہ ہو۔

اس لئے اردو سیکھنے والوں کو تھوڑی سی فارسی گرامر اور ادب جاننا ضروری ہے۔
اور میرا خیال ہے کہ ہندوستان کی اس زبان میں بین الملّی زبان بننے کے بہت زیادہ امکانات ہیں ۔ اس لئے زبادان علماء کا فرض ہے کہ اس زبان کو سیکھنے کی تمام ضروریات ایک کتاب میں جمع کر دیں ، تاکہ مختلف اقوام کو سیکھنے میں آسانی ہو۔

اُردو میں قرآن عظیم کی تفسیر حدیث وفقہ وتاریخ وتصوف کے اعلیٰ مضامین مسلمانانِ ہند کو مشترک طریقے سے سکھلائے جائیں ۔ اور میں ان دینی خادموں کی تعریف کرنے پر مجبور ہوں ۔ جنہوں نے قرآن کا پہلے اُردو ترجمہ کیا ۔ مشکوٰۃ ، مشارق الانوار ۔ درمختار اور احیاء العلوم جیسی کتابوں کا گذشتہ صدی میں ترجمہ کر دیا۔

(ج) تیسرے درجہ پر دینی تعلیم عربی زبان کے ذریعہ سے ہو۔ دارالعلوم دیوبند کا عربی نصاب ہند کے لئے ایک خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ اس سے فقہ وحدیث وتفسیر و فلسفہ وکلام سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے ۔ اسے دینی علوم کا تکمیلی نصاب سمجھنا بڑی بھاری غلطی ہے۔

اس کے بعد میں اس صنف علماء کو مشورہ دیتا ہوں ۔ کہ وہ تکمیل علوم دینیہ کے دارالتکمیل کھولیں ۔ دارالعلوم دیوبند میں فقط علم وحدیث کی تعلیم ایک حد تک تحقیقی اور تکمیلی ہوتی رہے باقی فنون درجہ اعدادیہ سے آگے نہیں بڑھے ۔ میرا ذاتی تجربہ ہے اور جمعیۃ الانصار نے اسے قبول کر لیا تھا ۔ کہ دارالتکمیل میں امام ولی اللہ کی کتابیں پڑھائی جائیں۔

آج میں اس کی تصریح کرنے کے لئے آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں ۔ کہ امام ولی اللہ دہلوی کی حدیث وفقہ میں جس قدر ضرورت ہے ۔ اس سے زیادہ ہم ان کی حکمت و

فلسفہ و سیاست سمجھنے کے محتاج ہیں۔

میرا ذاتی تجربہ یہ ہے کہ یورپ کا فلسفہ سمجھنے کے لئے اور انقلابی سیاست پر قابلیت سے غور کرنے کے لئے یا اپنی قومی اور مذہبی خودی قائم رکھنے کے لئے اس امام کی کتابوں کی بیحد ضرورت ہے۔ اس کا جبر کوئی دوسرا مصنف نہیں کر سکتا۔

میں سفارش کرتا ہوں کہ تفسیر میں فتح الرحمٰن اگرچہ فارسی ترجمہ ہے ضرور پڑھایا جائے۔ وہ اس قدر فوائد پر مشتمل ہے کہ کوئی تفسیر اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

نحوی عالموں نے جس طرح عربی گرامر کو بیجا استعمال کر کے قرآن کے ترجمہ سمجھنے میں تشکیک پیدا کر دی ہے۔ فتح الرحمٰن اس سے نجات دلاتا ہے۔ جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا۔ اردو کی حفاظت کے لئے فارسی کی ضرورت ہے۔ یہ ترجمہ اگر داخل درس رہا۔ تو وہ مطلب بھی پورا ہو جائے گا۔

اصول التفسیر میں فوز الکبیر اور علم حدیث کی اصولی و فرعی شرح کرنے میں حجۃ اللہ البالغہ بے نظیر کتابیں ہیں۔ ایسا ہی اہل السنۃ کی فقہ مجتہدانہ سمجھنے میں مسوّی مدد دیتی ہے۔ اس کے بعد ازالۃ الخفار دور اول کی تاریخ کا فلسفہ اور اصول سیاست سکھلاتا ہے۔ البدور البازغہ نیچرل حکمت سکھاتی ہے۔ اور اس اصول کی تشریح میں بینظیر کتاب ہے۔ کہ کیوں فطرت انسانیہ ادیان الہیہ کا معیار بنائی گئی۔ الخیر الکثیر فلسفہ الٰہیات کو کتاب و سنت کی شرح میں استعمال کرنے کے قابل بناتا ہے۔

میں سفارش کرتا ہوں کہ یہ سب کتابیں دار العلوم دیوبند جیسے مرکزی مدارس میں داخل درس کر دی جائیں۔

یہاں پہنچ کر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو شبہات کا جواب ذکر کر دیا جائے۔

پہلا شبہ یہ ہے کہ مصر میں عربی کی تجدید ہو رہی ہے۔ سہل التعبیر کتابیں تمام فنون کی نئی تصنیف ہو رہی ہیں۔ علمائے ہند کو اپنا عربی کورس ان کے تتبع میں تبدیل کر لینا چاہئے۔

میں اس تبدیلی کا مخالف ہوں اور مجھ پر ارتجاعی ہونے کا الزام لگانے سے پہلے میرا جواب سُن لینا چاہیئے۔

نئی شکل میں اصلاح شدہ عربی مدارس سے جو طالب علم نکل رہے ہیں وہ اپنی تاریخ و فلسفہ سے ناواقف ہوتے جاتے ہیں اور یوروپین فلاسفی ان کے اذہان پر غالب ہو رہی ہے۔

مثال کے لئے سعودی حکومت کے طلبہ کو لیجئے وہ اعتقاداً شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے متبعین میں سے ہیں۔ اور انہی کی اتباع کی دعوت کو سلفیت کا نام دیتے ہیں مگر حالت یہ ہے کہ ان میں سے ایک عالم بھی اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کہ وہ شیخ الاسلام کی منہاج السنۃ یا عقل و نقل سمجھ سکتا ہے۔ دوسرے کو سمجھانا تو بہت دور ہے۔

میرا خیال ہے اسی طرح اگر نیا اصلاح شدہ عربی نصاب ہمارے مدارس میں غالب آگیا۔ تو یقین مانئے۔ ہم حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتاب سمجھنے سے عاری ہو جائیں گے۔

ہمارا اپنا فلسفہ جب ذہن سے نکل گیا۔ تو ہم ہر طرح بہکائے جا سکتے ہیں۔

دوسرا شبہ کہا جاتا ہے۔ کہ کیا ہم یوروپین سائنس اور صنعتیں سیکھنے کے محتاج نہیں ہیں۔ اس لئے ہمیں سہل عربی سے فائدہ حاصل کرنا چاہیئے۔

میرا جواب یہ ہے۔ کہ میں سائنس سیکھنے کا کسی صورت میں انکار نہیں کر سکتا مگر اس کے لئے عربی کو آلہ نہیں بنانا چاہیئے۔ بلکہ انگریزی کے ذریعے سے اس کی تکمیل ضروری ہے۔

عربی لکھنے والوں میں نقل و ترجمہ کے سوا اور کوئی کمال نہیں۔ اس لئے ہندوستانی

مسلمانوں کو نقل ور نقل کا عادی نہ بنایا جائے۔

البتہ میں حربی علوم سیکھنے کے لئے ترکی زبان کو تمام یورپین زبانوں پر ترجیح دیتا ہوں۔ اس کی گرامر بہت آسان ہے۔ ایک ہندوستانی چار مہینہ میں ایک گھنٹہ روز صرف کرکے اس قابل ہو جاتا ہے۔ کہ کالج کے لکچر سن سکے۔

ایسا ہی طبی فنون کے لئے بھی ترکی زبان کو ترجیح دیتا ہوں۔ سلاطین عثمانیہ نے حربی و طبی کالج استنبول میں بنا کر تمام مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے۔

جمعیۃ العلماء کا دوسرا سیکشن اسلامی فلاسفی کا محافظ ہو۔ یہ اسلامی فلاسفی دراصل وہی ہندو فلاسفی ہے۔ جسے مسلم صوفیائے کرام نے اسے ہند میں تکمیل کے درجہ تک پہنچایا ہے۔ اس درجہ تکمیل کا معلم اور مرشد بجز امام ولی اللہ دہلوی کے سوا اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

یہ یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اس قسم کے الفاظ عامہ سے ہماری مراد وہ علماء ربانی ہیں جو دوسری ہزار ہجری کے دوران میں ہند میں پیدا ہوئے۔ ہم امام ولی اللہ کو سب سے اس فن میں امام مانتے ہیں۔

میں آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں دہلی کی جامعہ ملیہ میں اس امام کی فلاسفی سکھلانے کے لئے ایک مدرسہ بنانا چاہتا ہوں۔ جو میرے استاد شیخ الہند مولانا محمود حسن کی یادگار ہوگا۔ غالباً جمعیۃ علمائے بنگال اس تحریک کو اچھی نگاہ سے دیکھے گی۔

اس مدرسہ میں امام ولی اللہ کی فلاسفی انگریزی زبان میں ترجمہ کر دی جائے گی اور مسلم و غیر مسلم ہر ایک کو مساوی درجہ پر سکھلائی جائے گی۔

ترکوں نے ترکی مسلمان نیشنلسٹ بنایا۔ تو اس میں یقیناً ایک درجہ تک لادینی بھی آگئی۔ اگر ہم اسلامی فلاسفی کا اسکول قائم کر سکے تو مسلمانان ہند کو نیشنلسٹ بننے میں اسلام چھوڑنا نہیں پڑیگا

اور ہند و فلاسفروں سے وہ متحد الخیال ہوکر یورپین انقلاب معاشی میں وہ مذہب کو بہت آگے لے جائیں گے۔

(۸) جمعیۃ علمائے ہند کا یہ سیکشن جو حکمت و فلسفہ کے لئے خاص ہوگا۔ میں اس کے ہر ایک ممبر کو دعوت دیتا ہوں۔ کہ وہ انڈین نیشنل کانگریس کا ممبر ہو جائے۔

اور پہلے سیکشن کے ممبروں کو براہ راست سیاست میں حصہ نہیں لینا چاہئے۔ وہ فقط اس دوسری سیکشن کے ماتحت رہ کر اُن کی تائید کے لئے عوام کو جمع کیا کریں۔ اس طرح جمعیۃ العلماء، ذہنی انارکزم سے نجات پائے گی۔

(۹) میں مشورہ دیتا ہوں۔ کہ ان فلاسفروں کی ذمہ داری پر ان کی نگرانی میں پہلی قسم کے علماء، اور طالب علموں کی ایک جمعیۃ قائم کی جائے۔ جسے خدام خلق کہا جائے۔ وہ ہر ایک انسان کی حاجت روائی کرکے بغیر کسی امتیاز مذہبی کے خدمت کریں۔

اسی خدمت کے زور پر جمعیۃ علماء ہند کی سیاسی عزت قوم میں مسلم رہے گی۔

(۱۰) میں جمعیۃ العلماء کو مشورہ دیتا ہوں۔ کہ اس کے حکیم و فلاسفر اس طرف متوجہ ہوں۔ کہ وہ قرآن عظیم کی حکیمانہ تفسیر مسلم اور غیر مسلم سب کے سامنے پیش کرنا اپنا فرض قرار دیں۔

میں اس کی اطلاع دیتا ہوں۔ کہ امام ولی اللہ کی حکمت کا وہ مدرسہ جس کا جاری کرنا ہم جامعہ ملیہ میں تجویز کر رہے ہیں۔ اس تحریک کو چلائے گا۔ اور اس خدمت کو ادا کرتا رہے گا۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین ؎

قومی اجتماع ہند

نیشنل ہے یا انٹرنیشنل

(از حضرت مولانا عبید اللہ سندھی)

نیشنل کانگریس جب شروع کی گئی تھی تو اس کا مقصد یہ قرار دیا گیا تھا کہ اینگلو انڈین طبقہ کے ساتھ انگریزی بولنے والے ہندوستانی مل کر ایک نئی قومیت کی بنیاد قائم کریں گے جو انگریزی سوشل ارتباط میں وابستہ رہے گی۔ تاکہ برٹش گورنمنٹ کے لئے ایک قابل اعتبار سوسائٹی تیار ہوتی رہے۔ اس طرح جب کبھی ہندوستانی مطالبات سے مجبور ہو کر حقوق بخشی کی ضرورت ہوگی۔ تو اسی سوسائٹی کو ہندوستان کا قائم مقام مانا جائے گا۔ برٹش کامن ویلتھ کے حالات دیکھنے سے بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس قسم کی پالیسی برطانیہ کے اصول سلطنت میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔

موسسین کانگریس کا اصلی نصب العین تو جبھی پورا ہو سکتا تھا۔ اگر اینگلو انڈین اس اجتماع پر حاکم رہتے۔ مگر بنگالی نیشنلسٹ نے ہندوستان کی نمائندگی میں اس طرح پیش قدمی شروع کر دی۔ جس کا مقابلہ اینگلو انڈین نہیں کر سکے۔ اس کے بعد اسی سلسلہ میں احاطہ بنگال و بمبئی کے نیشنلسٹ آگے بڑھتے گئے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جس قدر ان میں ہندوستانیت زیادہ آتی گئی۔ اسی قدر گورنمنٹ کانگریس کو ناپسند کرنے لگی!

ہم اس دوسرے دور کو تنسیخ تقسیم بنگال تک ممتد مانتے ہیں۔ اس زمانہ تک دہلی اور اس سے متعلق شمالی مغربی ہند نے کانگریس میں زیادہ ہمت سے حصہ نہیں لیا۔

اور اس کا سبب واضح ہے۔ یو۔ پی اور پنجاب انگریزی دانی میں کلکتہ۔ مدراس اور بمبئی کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

حرب عمومی کے خاتمے پر مہاتما گاندھی کانگریس میں نمودار ہوئے۔ اسے ہم تیسرے دور کا عروج سمجھتے ہیں۔ اس زمانہ سے کچھ عرصہ پہلے میں نے کانگریس کی خدمت شروع کی تھی۔ اگرچہ اس وقت میں ہندوستان میں نہیں تھا۔ میری خدمات کا اندازہ لگانے سے پہلے یہ خیال ہمیشہ مستحضر رکھنا چاہئے۔ کہ وطن چھوڑنے کے بعد میرے لئے قدرتی اسباب پیدا ہو گئے تھے۔ کہ میں یورپ کی انٹی برٹش طاقتوں کے سوا اور کسی سے تعلق رکھ ہی نہیں سکتا تھا۔

روس کو اگر یورپ سے علٰحدہ کر دیا جائے تو ہمارا ہندوستان رقبہ اور آبادی اور تنوع لغات وغیرہ حیثیتوں سے اس چھوٹے یورپ سے متناسب ہے۔ اس لئے حقائق اور واقعات کچھ زیادہ مختلف نہیں۔ مگر ایک مسئلہ ایسا ہے۔ جس سے ہمارا اور یورپ کا طریق تعبیر مختلف نظر آتا ہے اور اس لفظی اختلاف نے حقیقت کا رنگ اختیار کر لیا ہے۔ میں ناظرین کو اس مسئلہ پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

آج کل یورپ کی علمی مجالس میں لفظ قوم کی تعریف اس طرح بیان کی جاتی ہے کہ نیشن وہ انسانی اجتماع ہے۔ جو ایک زبان بولتا ہو۔ اور ان کی معاشرت میں ایک حد تک یکسانی پائی جائے چونکہ اس آبادی میں ایک فکر جلدی شائع ہو سکتا ہے اور روپیہ کا تداول بھی بآسانی ہو سکتا ہے اس لئے اسے ایک وحدت ماننا ضروری ہے۔

میرے خیال میں اس اصطلاح پر تمام ہندوستانی ایک قوم نہیں مانی جا سکتی بلکہ سندھی کشمیری۔ بنگالی۔ مرہٹی علٰحدہ علٰحدہ قومیں کہلائیں گی۔ مجھے اثنائے قیام مکہ معظمہ میں بارہا تجربہ

ہوا۔ کہ ایک بنگالی حاجی کی مدد کرنے سے عاجز آیا۔ کیونکہ وہ میری زبان نہیں سمجھتا تھا۔ میرے خیال میں جس طرح یورپ میں انگریز۔ فرانسیسی۔ جرمن۔ اطالین قومیں مانی جاتی ہیں۔ وہی کیفیت ہمارے ہندوستان میں بھی موجود ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مختلف زبانیں بولنے والی قومیں اگر سمندر، پہاڑ جیسی قدرتی حدود انہیں جدا نہیں کرتیں۔ تو آپس میں کسی نہ کسی طرح اشتراکی فکر پیدا کرنے کے لئے مجبور ہیں یہ فلسفی فکر کبھی تو الٰہیات سے تعلق رکھتا ہے۔ جیسے عقیدۂ "وحدت الوجود" اور کبھی اقتصادیات سے تعلق رکھتا ہے جیسے ہمارے زمانے میں اشتراکیت۔ اور کبھی ایک دینی تنظیم میں دونوں باتیں جمع ہو جاتی ہیں۔ ہمارے خیال میں اس قسم کے فکری اتحاد سے جو وحدت پیدا ہوتی ہے انٹرنیشنل طاقت کا اساس ماننا چاہئے۔ اس قسم کے اشتراک سے اس بیسویں صدی کی عام اصطلاح کے موافق ایک قوم ہرگز نہیں بن سکتی۔ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے۔ کہ ہم اسے بھی ممکن نہیں سمجھتے کہ کسی غیر معمولی تاثیر سے کوئی خاص زبان ہندوستان کے رہنے والوں کو اس تعمیم سے سکھلائی جائے۔ جس سے آگے چل کر آج کی اصطلاح میں قومیت پیدا ہو جائے گی۔

ہندوستان کی تاریخ میں ہندو فلاسفی نے شمالی ہند کو مرکز بنایا۔ اور دکن کو فتح کر لیا۔ اس طرح ویدک زمانے میں اور اس کے بعد بودھوں کی حکومت میں اس فکری اتحاد نے سارے ہندوستان کو ایک رسی سے باندھ کر اسے ایک انٹرنیشنل طاقت تو ضرور بنا دیا۔ مگر ہم اسے نیشنل طاقت نہیں کہہ سکتے۔

دیکھئے ہندو فلاسفی نے اسی مرکز سے اکثر ایشیائی ممالک کو فتح کیا۔ بلکہ یونان کے توسط سے یورپ پر بھی حملہ حاصل کیا۔ آج بھی یوروپین طاقتیں اس کا لوہا مانتی ہیں۔ تو کسی

علمی اصطلاح میں بھی ان ممالک کو کیا نیشنل طاقت سے تعبیر کرنا ممکن ہے۔
ہمارا خیال ہے کہ اسلامی دور میں بھی ہندوستان کے انٹرنیشنل ازم کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا اس کے بعد اب انگریزی دور بھی اسی کا تتبع کر رہا ہے۔ اس لئے اپنے ملک کے ارباب فکر سے ہماری پرزور التماس ہے۔ کہ وہ اس مسئلہ پر توجہ کر کے اس علمی غلطی کی تصحیح کریں۔

ہمیں معلوم ہے کہ ترکوں میں بعض سیاسی لیڈر ایسے پیدا ہوئے۔ جو اتحاد اسلام کو بھی ایک نیشنل تحریک مانتے ہیں۔ اور اسے اسلامی قومیت کا نام دیتے ہیں۔ ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کے تتبع میں ہی اسلامی قومیت کی اصطلاح نوجوان مسلمانوں نے ہندوستان میں بھی استعمال کرنا شروع کر دی ہے۔
جہاں تک ہم ترکی عملداری پر غور کر سکے۔ ہمیں صاف نظر آیا۔ کہ ترکی قومی تحریک کے لئے یہ ایک خاص قسم کا پروپیگنڈا تھا۔ ترک چونکہ اس تحریک کو مرکز پر قبضہ کر کے چلا رہے تھے۔ ان کے لئے تو یہی موزون تھا۔ کہ دوسری اسلامی قوموں کی قومیت کا اعتراف نہ کیا جائے اور اسی غلو کا یہ نتیجہ نکلا۔ کہ عرب ترکوں کے قومی مخالف بن گئے۔
اسی قیاس پر ہمارا خیال ہے۔ کہ غالباً ہندو سوسائٹی نے بھی اپنے سیاسی تغلب کے زمانے میں ہندوستان کی باقی اقوام کا اعتراف چھوڑ دیا ہوگا۔ ہماری التماس ہے کہ ہندوستانی مفکر آج کی حالت پر غور کر کے اس ڈپلومیٹک اصطلاح کو چھوڑ دیں۔ اس سے ان کے پروگرام میں کوئی بڑا انقلاب رونما نہیں ہوگا۔ مثلاً بنگال کانگریس کمیٹی کا نام اگر بنگال نیشنل کانگریس کر دیا جائے۔ تو بنگالی کی ذہنیت سے زیادہ چسپاں ہوگا۔ اسی طرح مہاراشٹر، گجرات سندھ۔ پنجاب کی امثال قومی جماعتوں کو نیشنل کانگریس سے تعبیر کیا جائے۔ اس کے بعد آج

کی آل انڈیا نیشنل کانگریس صحیح معنوں میں آل انڈیا انٹرنیشنل کانگریس بن جائے گی۔ اور فیڈریٹ انڈیا سے زیادہ مناسبت پیدا کرلے گی۔

فیڈریشن کی موجودہ اسکیم میں ہزار نقص نکالے جائیں۔ اور اس کی اصلاح کے مختلف طریقے زیر غور ہوں۔ اسے ہمارے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ اصل فیڈریشن متفق علیہ ہونا ہی ہمارے نظریہ کو ثابت کرتا ہے۔ آج کی حالت یہ ہے۔ کہ اولاً برٹش پارلیمنٹ نے اس کے بعد ہند کی تمام سیاسی جماعتوں نے اصل فیڈریشن کو تسلیم کرلیا ہے۔ بحث فقط تفصیلات میں ہے۔ کیا کانگریس کے لئے اس لفظی اصلاح پر غور کرنے کا وقت نہیں آیا ✦

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ
وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهُ ؕ

کھول کر آنکھیں میرے آئینہ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ
(اقبال)

جمنا، نربدا، سندھ ساگر پارٹی

کا

اساسی پروگرام

اِنَّ وَلِيِّـيَ اللّٰهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِينَ ؕ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؕ

الحمد للہ رب العلمین وصلی اللہ علی سیدنا محمد سید المرسلین و خاتم النبیین وعلی آلہ واصحٰبہ واتباعہ من ائمۃ الدین وعباد اللہ الصٰلحین وبارک وسلم۔ اما بعد۔ آج ہم نے خدا کا نام لے کر اسی کی مدد پر اعتماد کرکے شمالی مغربی ہند کی نئی سیاسی جماعت "جمنا، نربدا، سندھ ساگر پارٹی" کے پہلے حصہ کا کام سندھ میں شروع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔

پارٹی کے چند اساسی قواعد ہم نے ضبط کرلئے ہیں۔ تاکہ خواص کو دعوت دینے

میں آسانی ہو۔ ان میں اکثر وہی باتیں ہیں جو سیاسی مطالعہ کرنے والوں کے نزدیک علوم متعارفہ کا حکم رکھتے ہیں۔ اس لئے ان کی مزید تشریح کی اس مقدمہ میں ضرورت نہیں۔ البتہ پارٹی کے میدان عمل کو محدود کرنے کا مسئلہ قابل ایضاح ہے۔

جس متبصر کو گذشتہ تیس برس کی تاریخ پیش نظر ہے۔ وہ سمجھ سکتا ہے کہ ہندوستان کا سیاسی تقدم اتنا مشکل نہیں جیسا کہ اس سے پہلے سمجھا جاتا تھا۔ لیکن یہ امر بھی ساتھ ہی منکشف ہو جاتا ہے کہ یہ کھیل جب کبھی بن کر بگڑتا ہے تو اس کی تہ میں ہندو مسلم اختلاف ہی باعث نقصان نظر آتا ہے۔

اس اختلاف کو حل کرنے کے لئے متفرق طور پر سیاسی نظریات بنائے گئے مگر عملاً "مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی" کا منظر سامنے آتا ہے۔

ہم نے عملی اشتراک کے ساتھ فکری اتحاد کا ضمیمہ بھی لگا دیا ہے۔ اس طرح ایک نیا تجربہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے لئے ہم نے ایک ایسا قطعہ انتخاب کیا ہے جو دونوں تہذیبوں کا مرکز ہے۔ جس طرح گنگا جمنا کا دو آبہ ہندو تہذیب کا منبع ہے۔ اسی طرح سندھ ساگر مسلم تہذیب کا معدن ہے۔ اگر ہم ان دو عظیم الشان قطعات کا اپنے نظریہ پر سمجھوتہ کرا سکے۔ ان کی تالیف قلوب پر قادر ہو سکے۔ تو اس لاینحل مشکل کی کلید مل جائے گی۔

اہل علم جانتے ہیں۔ کہ اسکندریہ میں حکماء کا ایک طائفہ نو افلاطونی پیدا ہوا تھا۔ اسی منہاج پر مسلمانوں میں کئی حکیم پیدا ہوئے۔ جن میں سے الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی اور شیخ الاشراق شیخ شہاب الدین السہروردی مشہور عالم ہیں۔

ہندوستان میں سلطان محمود غزنوی کے زمانہ سے صوفیہ کرام کی آمد شروع ہوئی۔ سلطان شہاب الدین غوری کے بعد اس خاک سے تصوف کے چار مل طریقوں میں کثرت سے معرفت الٰہی میں کامل خادم انسانیت پیدا ہوئے۔ وہ سب اسی حکمت اشراقی کے امام تھے۔ مگر

ایسا عالم جو اپنے انکشافات اور نظریات کی تدوین و تنظیم پر قادر ہو۔ امام ولی اللہ دہلوی جیسا پیدا نہیں ہوا۔

ان تمام ائمہ تصوف کا مرکزی فکر وحدت الوجود ہے۔ جو ویدانت فلاسفی کا اصل اصول ہے۔ شاہ ولی اللہ نے اسی کی تہذیب و تکمیل سے انسانیت کی تشریح کی اور اسی کتاب و سنت کا بطن بنایا۔ جیسا کہ ان کی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ اور ان کی فلسفی تصانیف البدور البازغہ و التفہیمات الالٰہیہ وغیرہ سے واضح ہوتا ہے۔

ہمارے خیال میں اگر دونوں مذاہب کے خدام انسانیت اسی فلاسفی کو امام بنا کر تقدم کی جدوجہد میں مصروف ہو جائیں۔ تو ہند ایک دفعہ پھر مجمع البحرین بن کر دنیا کی رہنمائی کر سکتا ہے۔

ہمارے پرانے رفقاء میں سے اگر کوئی بزرگ ہمارا نیا انداز دیکھ کر چیں بجبیں ہوں۔ تو اُن کی خدمت میں مختصراً عرض ہے ؎ کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو!

فقط۔ ہمارا اصلی مخاطب ہندوستانی نوجوان ہے ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادت مند پند پیر دانا را!

واللہ ھو الموفق!

عبیداللہ سندھی اور اُس کے رفقاء { دار الرشاد، سندھ ساگر ۱۰ دسمبر ۱۹۳۹ء ہندی

جمنا، نربدا، سندھ ساگر پارٹی کا پروگرام

(۱) دار الرشاد، السواد الاعظم، قاسم المعارف کے پرانے کارکن اور اُن کے رفقاء

جو وطنی خدمت کو اپنا مذہبی فرض سمجھتے ہیں۔ انڈین نیشنل کانگریس کے اندر ایک مستقل پارٹی تشکیل کرتے ہیں۔ جسے شمال مغربی ہند کے محدود رقبہ جات سے تعلق ہوگا۔

(ا)، پارٹی کا نام جمنا، نربدا، سندھ ساگر پارٹی ہوگا۔

(ب)، اس پارٹی کا میدان عمل چار حصوں میں منقسم ہوگا۔ (۱) آج کا صوبہ سندھ جس کا مرکز کراچی ہے (۲) دریائے سندھ اور اس کے معاونین کی زمین جس کا مرکز لاہور ہے (۳)، دو آبہ گنگا جمنا اور اس کا زیر اثر اجمیری بنارسی علاقہ جس کا مرکز دہلی ہے (۴) ہند کا ایسا حصہ جو اپنے فیصلہ سے پارٹی میں شامل ہو۔

۲۔ اس پارٹی کے نظری اساسی اصول یہ ہیں:۔

(ا)، عدم تشدد کی پابندی سے کامل آزادی حاصل کرنا (تشریح)

اس تاریخی حقیقت کو یاد رکھنا چاہئے کہ مسیحیت نے عدم تشدد کی پابندی سے تین سو برس میں استقلال حاصل کیا تھا۔

(ب)، کاشتکار اور دستکار محنت کش کی معاشی حالت درست کرنا اور اسے ترقی دیکر یورپ کے محنت کش کے برابر بنانا۔ (تشریح)

جب تک ملک کی عام آبادی کی معاشی حالت ترقی نہ کرے سیاسی ترقی ناممکن ہے۔

(ج) ہند کو ایک ملک نہیں بلکہ یورپ کی طرح مجموعہ ممالک ماننا۔ زبان اور معاشرت کو ملکی تقسیم کا اساس بنانا۔

(د)، ہر ایک ہندوستانی ملک (یعنی جس میں ایک زبان بولی جاتی ہے اور اس کی معاشرت میں تقریباً یکسانی ہے) اس میں مستقل رہائش رکھنے والے ہر مرد اور عورت کا مساوی حق ماننا۔ اور جمہوری نظام پر وطنیت کو ترقی دینا۔ نسل، مذہب اور قدامت کو تفوق کا ذریعہ نہ بنانا۔

(ھ) ہر ایک ہندوستانی ملک کی عام آبادی کو اس کی مادری زبان میں تعلیم دے کر ووٹ کی قیمت سمجھانا۔ (تشریح)

جو ہندوستانی زبانیں عربی حروف میں لکھی جاتی ہیں۔ ان کی تعمیم تعلیم موجودہ رسم الخط کے ذریعہ سے نہایت دشوار ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ یا تو حروف علحدہ علحدہ لکھنے کا رواج دیا جائے۔ یا رومن حروف میں لکھنا شروع کریں۔ دوسری صورت میں ٹائپ رائٹر سے باسانی استفادہ کر سکتے ہیں۔ ہم چونکہ جبری قوت استعمال نہیں کر سکتے۔ اس لئے سمجھا بجھا کر بالتدریج کامیابی حاصل کریں گے۔

(و) ترقی یافتہ یورپ کی صنائع کو اپنے ملک میں پیدا کرنے کے لئے اور وطن کی خدمت اور حفاظت میں مرد و عورت کو جوانمردی سکھلانے کے لئے یوروپین معاشرت اختیار کرنا۔ (تشریح) یوروپین قوموں کی سیاسی برادری میں شامل ہوئے بغیر نہ تو ایشیا کی سیاسی ترقی آسان ہے نہ ہندوستان کی۔ اس لئے معاشرتی انقلاب خوشی سے برداشت کر لینا چاہئے۔ ورنہ ارتجاعی قوتیں ملک کو خاک سیاہ بنا دیں گی۔

(ز) فکر اور اخلاق اور سیاست میں یکسانی پیدا کرنے کے لئے امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت اور فلسفہ کو پارٹی کا عقلی اساس ماننا۔ اور اس راستہ سے النسانیت کی خدمت کے لئے تیار کرنا۔ (تشریح)

دوسری ہزار ہجری کے ابتدا سے یعنی جلال الدین اکبر کے زمانہ سے مسلمانان ہند کے مفکرین کا ایک طبقہ ابن عربی کے فلسفہ یا ویدانت فلاسفی کی اصلاح اور تکمیل میں اس لئے مصروف رہا کہ اسے ہندوستانی زندگی کے لئے سیاسی اساس بنائے۔ امام ولی اللہ دہلوی کا فلسفہ ان تمام مساعی کا نچوڑ ہے۔ اس سے تمام ادیان میں تطبیق دی جا سکتی ہے۔

انسانیت کی ارتقائی تاریخ کی تشریح ہو سکتی ہے۔

(ح) ہندوستان کی وحدت کو فیڈریشن میں منحصر سمجھنا۔

ہندوستان کو ایک ملک سمجھنا اسی قدر غلط ہے جیسے کوئی روس کو نکال کر باقی یورپ کو ایک قوم کا ملک کہا کرے۔

(ط) فیڈریشن کی تکمیل کے لئے ایک کافی لمبی مدت تک برٹش کامن ویلتھ میں رہنے کا فیصلہ کرنا۔

(ی) فیڈریشن کی زبان ترقی یافتہ ہندوستانی (اردو) اور انگریزی کو ماننا۔

(تشریح) اُردو کو رومن حروف میں لکھ کر یورپین قوموں میں رواج دینا۔ اور مقطع حروف میں لکھ کر ایشیائی قوموں میں پہنچانا، اس مقصد کی تکمیل کے لئے ضروری ہے۔

۳- پارٹی کے عملی سیاسی اصول یہ ہیں:۔

(ا) پارٹی اپنے نظریات کو پھیلانے کے لئے خاص تعلیم گاہوں میں خدام خلق تیار کرے گی۔ فقط وہی لوگ پارٹی کے ممبر بن سکیں گے۔ جو انسانیت کی خدمت کو اپنا فرض قرار دیں گے اور عدم تشدد کی پابندی سے اس فرض کی تعمیل میں ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کا عہد کریں گے۔ کہ وہ تکلیف دینے والوں پر کسی صورت میں ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔

(ب) پارٹی کے جس قدر ممبر حکومت میں شریک ہوں گے وہ اپنی کرسی پر ملک کے ہر فرد کے ساتھ یکساں معاملہ کریں گے اور رشوت لینا بند کرائیں گے!

(ج) پارٹی کے تجارت پیشہ ممبر ماپ اور تول میں کمی بیشی نہیں کریں گے۔ حساب لکھنے میں خیانت نہیں کریں گے۔ ربا بند کرائیں گے۔

(د) پارٹی کے زمیندار ممبر کاشتکار سے جو معاہدہ کریں گے، اس کے پابند رہیں گے کاشتکار کے خاندان کی بڑھتی ہوئی ضروریات زندگی بہم پہنچانے میں پوری مدد دیں گے۔

(ھ) پارٹی کے کاشتکار ممبر حکومت کا مقررہ خراج اور زمیندار کا حصہ معاہدہ کی پابندی سے پورا کریں گے۔

(و) پارٹی کے دستکار ممبر جس سے معاملہ کریں گے۔ امانت کو اپنا شعار بنائیں گے۔

(ز) پارٹی کے جس قدر ممبر علمی یا اخلاقی خدمت کرنے کے لئے مخصوص ہیں۔ وہ اپنے ملک سے جہالت دُور کرنے میں انتہائی جدوجہد کریں گے وہ ادنیٰ ضروریات زندگی پر اکتفا کریں گے۔

(ح) پارٹی کے ہر علمی ممبر کا فرض ہوگا۔ کہ وہ ہر مرد و عورت کو لکھنا پڑھنا سکھائے۔ (۱) اپنی ملکی زبان میں (۲) اپنی بین الاقوامی زبان میں (۳) ہر پابند مذہب کو اس کی ملکی زبان میں۔

(ط) پارٹی کے ہر اس ممبر کا (جو اخلاقی استاد یا مرشد مانا جاتا ہے) فرض ہوگا۔ کہ وہ اپنے ملکی بھائیوں کو حقوق کا احترام سکھلائیں۔ یہاں تک کہ اُن کے ملک کا ہر شخص کسی انسان کے جان، مال، عزت کو نقصان پہنچانا اخلاقاً حرام سمجھے۔

(ی) پارٹی کا ہر ممبر اپنی ضروریات زندگی خود کما کر حاصل کرے گا۔ اس کا فرض ہوگا۔ کہ ملک سے بیکاری کی زندگی کو ختم کر دے۔ ہر امیر و غریب کو کسی نہ کسی طریقہ سے محنت کش بنایا جائے۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین!

عبیداللہ سندھی

مؤسس ج۔ن۔ سندھ ساگر پارٹی

اِنَّ وَلِیِّیَ اللّٰہُ الَّذِیْ نَزَّلَ الْکِتٰبَ وَھُوَ یَتَوَلَّی الصّٰلِحِیْنَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للہ رب العالمین والعاقبۃ للمتقین وصلی اللہ وسلم و بارک علیٰ سیدنا محمد سید المرسلین وخاتم النبیین وعلیٰ اخوانہ من الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واتباعہ من ائمۃ الدین وعباد اللہ الصالحین اجمعین!

امّا بعد۔ آج بروز یکشنبہ ۱۲ ذی القعدۃ الحرام ۱۳۵۸ھ (۲۴ دسمبر ۱۹۳۹ھ عندی) دار الرشاد میں (اور ۱۶ ذی القعدہ کو مظہر العلوم کراچی میں) جمعیۃ العلماء کا ایک مستقل شعبہ قائم کیا جاتا ہے۔ جو اسلامی فلاسفی کا خادم اور محافظ ہوگا۔ اگر خدا کو منظور ہے تو وہ ایک سوچے سمجھے ہوئے دینی پروگرام پر چل کر مسلمانوں کا تشتت دور کردیگا۔ واللہ الموفق والمعین!

جمعیۃ خدام الحکمۃ کے اصول

(۱) جمنا نربدا، سندھ ساگر پارٹی کے ارکین میں سے دار الرشاد کے علماء اور ان کے ساتھ مظہر العلوم کراچی کے علماء "جمعیۃ علماء سندھ" میں ایک مستقل شعبہ کی تاسیس کرتے ہیں۔ جس کا نام "جمعیۃ خدام الحکمۃ" ہوگا

(۲) خدام الحکمۃ کے اساسی اصول نظری وعملی حسب ذیل ہوں گے:۔

(الف) امام ولی اللہ دہلوی (حکیم الہند) کو جمیع علوم شرعیہ مثلاً کتاب وسنت وحکمت و سیاست میں ۱۱۴۳ھ ہجری (۱۷۳۱ء ہندی) سے امام الہند تسلیم کرنا۔

(ب) ان کی کتابیں (۱) فوز الکبیر۔ فتح الرحمٰن۔ ازالۃ الخفاء، (۲) حجۃ اللہ البالغہ۔ مسوی۔ مصفی (۳) قول جمیل۔ الطاف القدس۔ ہمعات (۴) سطعات، لمعات۔ البدور البازغہ۔ الخیر الکثیر۔ تاویل الاحادیث (۵) فیوض الحرمین۔ التفہیمات الالٰہیہ وغیرہ ان کی

اصلی زبانوں میں پڑھنے پڑھانے کو مقصد حیات بنانا۔

(ج) امام ولی اللہ دہلوی کی حکمت کی تشریح میں امام عبد العزیز دہلوی کو امام ماننا اور مولانا رفیع الدین کی "تکمیل الاذہان"، مولانا محمد اسمعیل شہید کی "عبقات"، مولانا محمد قاسم دیوبندی کی "تقریر دلپذیر" اور "شرح حدیث ابی رزین" اور "قبلہ نما" کو بطور مبادی پڑھنا پڑھانا۔

(د) ہندی سیاست کو ترقی دینے کے لئے سندھ ساگر پارٹی یا اسی منہاج کی مستقل پارٹی کو انڈین نیشنل کانگریس میں قائم رکھنا۔ اور مولانا محمود حسن دیوبندی شیخ الہند کو اس سلسلہ کا استاد ماننا۔

(ہ) ج۔ن۔ سندھ ساگر پارٹی کے مراکز سیاسیہ مثل دہلی۔ لاہور۔ کراچی اور مراکز علمیہ مثل دار الرشاد، مظہر العلوم، دار العلوم دیوبند میں جمعیۃ خدام الحکمۃ کے مراکز ہوں گے۔

(و) دار الرشاد کے مرکز میں "جمعیۃ خدام الحکمۃ" کی صدارت جناب پیر صاحب / صاحب العلم دامت برکاتہم اور مظہر العلوم میں اس شعبہ کی صدارت جناب مہتمم صاحب زید مجدہم اور دار العلوم دیوبند میں جمعیۃ خدام الحکمۃ کی صدارت جناب مہتمم صاحب زید مجدہم کے ساتھ مختص ہوگی۔

(ز) اس جمعیۃ خدام الحکمۃ کے محل اور مقام کو بیت الحکمۃ کہا جائے گا۔

(ح) بیت الحکمۃ میں قرآن عظیم کی حکیمانہ تفسیر پڑھائی جائے گی۔

(ط) بیت الحکمۃ میں فقط امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفہ کی تعلیم ہو سکتی ہے۔

(ی) بیت الحکمۃ میں ایسا کتب خانہ جمع کیا جائے گا جس کی مدد سے امام ولی اللہ دہلوی کے فلسفہ کا حکماء ہند، اور حکماء یورپ سے مقابلہ کیا جاسکے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

۲۴ر دسمبر ۱۹۳۹ء ہندی — عبید اللہ

بیت الحکمۃ، دار الرشاد — موسس جمعیۃ خدام الحکمۃ